قلبِ سلیم

اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ

نعمان نیئر کلاچوی

قلبِ سلیم

A Faithful Heart

نعمان نیئر کلاچوی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام مقالہ	قلبِ سلیم
مصنف	نعمان نیئرؔ کلاچوی
ناشر	مرشد پبلی کیشنز، کلاچی، ڈیرہ اسماعیل خان
پی ڈی ایف ایڈیشن	اکتوبر، 2025

تمہید

زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں صرف اتنا دیکھ لیں کہ انسان اِس دنیا میں اپنی مرضی سے نہیں آتا اور غور کریں کہ کیوں نہیں آتا؟، چلیں غور نہ بھی کریں تو اتنی بات تو فوری سمجھ آجاتی ہے کہ انسان مطلق حقیقت نہیں ہے۔ یہ ہوتا ہے، پھر نہیں ہوتا۔ انسان اپنی مرضی اور ارادہ سے جو چاہے عمل اختیار کر سکتا ہے لیکن اُس عمل کے نتیجے پر قدرت نہیں رکھتا، تو اِس سے اب کیا ثابت ہوا؟، یہی نا کہ انسان ایک محدود شعور کے ساتھ ایک ذمہ دار حیثیت رکھنے والا جاندار ہے۔ یعنی انسان کے پاس اب شعور بھی ہے مطلب یہ سوچ سمجھ بھی سکتا ہے اور اخلاقی طور پر ذمہ دار بھی کہ یہ اچھے بُرے اور صحیح غلط کی پہچان بھی کر سکتا ہے۔

دین دو چیزوں کو حتمی بنیاد دے کر اُنہیں مستقل پیمانہ بنا لیتا ہے اور وہ دو چیزیں ہیں علم اور اخلاق۔ سب سے پہلا سوال ہی یہی ہے کہ آخر مَیں کیوں ہوں اِس دنیا میں ؟۔ اِس انتہائی بنیادی سوال کا جواب نہ تو فلسفہ دے سکا، نہ سائنس اور نہ ہی تصوّف۔ بتایئے اِس کے علاوہ بھی کوئی ذرائع ہیں علم کے ؟۔ اِس سوال کا جواب صرف دین نے دیا ہے، اِسی لئے مَیں اکثر کہتا رہتا ہوں کہ دین انبیاء سے لینا چاہیئے نہ کہ فلاسفہ یا صوفیاء سے، کیونکہ فلسفی

کے پاس گہرے سوالات کے انبار ہیں اور جواب ایک بھی نہیں، صوفی کے پاس گوناگوں ذاتی تجربات ہیں لیکن آزادانہ تصدیق کسی ایک کی بھی ممکن نہیں، سائنس کا تو دائرہ ہی طبیعیات تک محدود ہے اِس لئے اِس پر کوئی اعتراض بنتا ہی نہیں۔ بتایئے پیچھے دین کے علاوہ کچھ بچتا ہے؟، پس بات یہ ہے کہ انسان کے انتہائی بنیادی سوالات کے جوابات صرف انبیاء ہی دیتے رہے ہیں کیونکہ اُن کے جوابات خدائی شعور پر مبنی ہوتے ہیں نہ کہ اُن کے اپنے مفروضات، یہی وجہ ہے کہ آج تک چل رہے ہیں۔

ایمان سے فراغت انسان کیلئے جو سب سے بڑی مصیبت پیدا کرتی ہے وہ دراصل عمل کو حتمی نتائج سے منقطع کرنا ہے، یعنی حتمی نتائج کیا سرے سے کوئی عمل ثمر بار (Fruitful) رہتا ہی نہیں ہے۔ علم اپنی مستقل بنیاد کھو بیٹھتا ہے اور انسان کے پاس صرف ٹامک ٹوئیاں رہ جاتی ہیں۔ اِسی طرح اخلاقیات بالکل بے بنیاد ہو کر انسانی خواہش کے تابع ہو جاتی ہیں یعنی دل کیا تو اچھا کام کیا ورنہ ضروری نہیں کہ اچھائی اختیار کر کے اپنا نقصان کیا جائے۔ عمل کیا جاتا ہے لیکن نتیجہ نہیں نکلتا، محنت کی جاتی ہے لیکن صلہ نہیں ملتا، محبت کی جاتی ہے لیکن بدلے میں صرف اذیت اور رسوائی ہی ہاتھ لگتی ہے، ہمدردی اور ایثار کیا جاتا ہے لیکن بدلے میں صرف مصیبت اور جگ ہنسائی

ہی نصیب ہوتی ہے۔ اعلیٰ ترین علاج کیا جاتا ہے لیکن بیماری بڑھ کر انسان کو ہی تمام کر دیتی ہے۔ اَمرت پی جاتی ہے لیکن وہ جسم میں جا کر زہر بن جاتی ہے اور بعض اوقات تو ایسے ہوتا ہے کہ کوئی عمل کیا جاتا ہے اور سرے سے اُس کا کوئی نتیجہ ہی نہیں نکلتا، تب انسان ششدر رہ جاتا ہے کہ یہ آخر میرے ساتھ ہو کیا رہا ہے۔ غور کریں اور صرف ایک بار نہیں بار بار غور کریں اور پھر بتائیں کہ آخر ایسا کیوں ہے؟، پھر سوچیں کہ ایسا کیوں ہے؟۔

مَیں بتاتا ہوں، ایسا محض اِس لئے ہے کہ ہم صرف دنیا کو ہی حتمی جائے قرار سمجھ بیٹھے ہیں اور آخرت کو بھول گئے۔ ہم اِس دنیا کو پرفیکٹ سمجھ بیٹھے اور ہر سوچ اور عمل کو یہیں ہی حتمی سمجھ بیٹھے، اِس لئے کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا کہ آخر یہاں ہو کیا رہا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ہمارے ہاں کے ہندو رِشی مُنی کہتے تھے کہ یہ جیون لیلا (Absurdity) ہے اور انسان بس یہاں صرف اپنی لیلا رچنے ہی آتا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ انسان یہاں ایک زبردست شعور اور اخلاقی احساس لیکر آتا ہے اور ہر بار یہی چاہتا ہے کہ جان سکے کہ وہ یہاں کیوں ہے؟، دنیا کیا ہے اور یہاں انسان کی حیثیت کیا ہے اور سوچ یا عمل اپنی اصل میں کیا ہے۔

قرآن بھی کہتا ہے کہ دنیاوی زندگی ایک لِیلا ہے لیکن قرآن اِس سے آگے جا کر دنیاوی زندگی کو جہاں ایک طرف معقول اور قابلِ فہم بنا دیتا ہے تو دوسری طرف انسانی سوچ یا عمل کو بھی حتمی بنیاد دے دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے" وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ؕ[1] وَ لَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ[1] اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔"

اور دنیا کی زندگی تو محض ایک لِیلا (کھیل تماشا) ہے اور آخرت کا گھر ہی بہترین ہے اُن لوگوں کیلئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ؟۔(سورہ الأنعام۔ آیت 32)

یعنی خدا تعالیٰ خود بھی اِس زندگی کو کھیل تماشا کہہ رہا ہے لیکن ساتھ میں یہ تسلی بھی دے دی کہ دیکھو اِس عارضی کھیل تماشے میں نہ غرق ہو جانا، اپنا اصل گھر یعنی آخرت بھی یاد رکھنا جہاں تمہیں اپنے ہر ہر عمل اور ارادے کا جواب دیناہو گا، تبھی تمہاری نجات ممکن ہو سکے گی۔

بتایئے اگر اِسے ہم محض ایک اخلاقی کہانی بھی مان لیں تو یہ کس قدر معقول بن جاتی ہے اور کس قدر اکلوتی توجیہ بن جاتی ہے زندگی کی کہ اِس کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں بنتا، پھر کیوں نہ ہم اِس پر یقین کرکے اپنی دنیوی و اُخروی زندگی دونوں کو بامقصد اور ثمر بار بنالیں۔

پچھلے دنوں مَیں ایک ہندی ویب سیریز The Trial دیکھ رہا تھا جس میں ایک معروف اداکارہ ایک قابل وکیل کا رول اَدا کر رہی تھی اور وہ کئی ہائی پروفائل کیس جیت کر شہر میں اپنا اچھا خاصا نام بنا چکی تھی۔ ایک دن جب وہ عدالت سے کسی سنگین مجرم کو بَری کروا کر گھر آتی ہے تو اُس سے اُس کی چودہ سالہ بیٹی پوچھتی ہے کہ

Mama why justice is so unfair?

(امّاں جی، انصاف کیوں اِس قدر ناموافق ہوتا ہے؟)

تو لڑکی کی ماں یعنی وہ قابل وکیل اُسے بجائے جواب دینے کے کہتی ہے، کَل مجھے اپنی چاکلیٹ ضرور یاد دلانا۔

یعنی اگر ہم صرف اِس دنیاوی زندگی تک ہی محدود ہو جائیں تو پھر ہم اپنے چودہ سالہ ایک معصوم بچے کو بھی اپنے بُرے اعمال کی وضاحت نہیں دے سکتے۔ غور کیجئے خدا کے اِس اعلان پر کہ فألھمھا فجورھا وتقوھا(91/8) یعنی ہم نے انسان کے وجود میں ہی خیر وشر کا شعور رکھ دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم چاہ کر بھی اور ہر طرح کی لیپہ پوتی (Manipulation) کے باوجود بھی کبھی اپنے بُرے اعمال کو اچھا نہیں بنا سکتے۔

جس طرح انسان اپنے شعور اور جذبہ کے ذریعے خیر و شر ایجاد نہیں کر سکتا بالکل ایسے ہی انسان کے پاس وہ قوت ہی نہیں کہ جس کی بنیاد پر ہر عمل کی کماحقہٗ جزاء پیدا کر سکے۔یہی وجہ ہے کہ اِس دنیا میں قاتل کو سزائے موت بھی دیدی جائے تو بھی اِس اقدام سے مقتول کو انصاف نہیں ملتا بلکہ ایک تو بالفرض مَرا اقضاء سے دوسرے کو رضا سے مار دیا جاتا ہے اور یوں دو انسان مر جاتے ہیں اور انصاف دھرے کا دھرہ رہ جاتا ہے۔

انسان اگر یوم الدین (انصاف کے دن) پر یقین نہ رکھے تو اُس کی ساری زندگی ہی ایک بھیانک حادثہ بن جاتی ہے۔

☆☆☆☆☆

قلبِ سلیم

آج مَیں نے جس آیت کا انتخاب کیا ہے صرف یہ ایک آیت دراصل انسانی عمل کو زمین سے ایک دم آسمان کی طرف اُٹھا دیتی ہے اور انسان کو ذہنی طور پر وہ حتمی قناعت اور تسلی فراہم کر دیتی ہے کہ جس کے بعد دنیاوی زندگی میں اگر کچھ بھی ہو جائے تو انسان حواس باختہ (Distraught) نہیں ہوتا۔

یہ دراصل سورہ الشعراء کی آیت 89 ہے لیکن اِس سے قبل آیت 88 میں خدا تعالیٰ انسانی اعمال کو آخرت سے متعلق کرکے انسان کو خبر دار کرتا ہے کہ دیکھو دنیاوی زندگی میں انسان کی سب سے بڑی کمائی اُس کا مال اور اولاد ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے "يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ" جس دن کام نہ آئیں گا اُس کا مال اور بیٹے۔ کس دن؟ یقیناً روزِ آخرت۔ لیکن مال اور نرینہ اولاد کیوں؟، اِس لئے کہ فطرتاً ہر انسان کی باشعور جدوجہد صرف مال کمانے سے ہی شروع ہوتی ہے حتیٰ کہ جو لوگ دینی مدارس میں داخلہ لیکر دین کی خدمت کرنے کا عزم رکھتے ہیں وہ بھی تعلیم مکمل کرکے دین کو ہی پیشہ بنا لیتے ہیں حالانکہ دین قطعی طور پر پیشہ نہیں ہے اور نہ اِسے پیشہ بنایا جاسکتا ہے اُصولاً، لیکن کئی صدیوں سے اہلِ اسلام میں یہ طور اب رائج ہو چکا ہے۔

اندازہ کیجئے کہ انسان مال کی محبت میں اِس قدر غرق ہوا کہ اُس نے یہ بھی نہیں سوچا کہ ہدایت بیچنے کی چیز نہیں ہے اور نہ ہی اِس کے عوض دنیاوی فوائد حاصل کئے جاسکتے ہیں لیکن نہیں انسان نے خدا کی عطاء کردہ ہدایت کو بھی نہ بخشا اور اِسے بھی کاروبار بنادیا۔

انسان کی زندگی کا مقصد مال کا حصول ہے اب اِسے ثابت کرنے کی بھی کوئی حاجت باقی ہے جبکہ ہمارے زمانے میں تو لوگوں کا ایمان ہی کرنسی ہے۔ اِس ضمن میں مزید تفصیل کیلئے میرے مقالے "مذہبِ سرمایہ داری" کا مطالعہ مفید ہے۔ خدا نے بھی وہاں چوٹ لگائی جہاں چوٹ کارگر ثابت ہوسکتی تھی، بالفرض اگر خداتعالیٰ یہ کہہ دیتا کہ روزِ آخرت کسی انسان کا کوئی بھی فن اُس کے کام نہ آئے گا تو انسان آرام سے اِس خبر پر سے گزر جاتا لیکن خبر تو وہ دی گئی جو انسان کے شب و روز کا کُل حاصل ہے کہ کمالو جتنا کماسکتے ہو لیکن آنا تو پھر میرے پاس ہی ہے یعنی "وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنتَهَىٰ" یعنی یہ کہ پہنچنا تو پھر تیرے ربّ ہی کے پاس ہے۔ (سورہ النجم۔ آیت 42)

مال کے بغیر کبھی بھی انسان کی سماجی حیثیت معتبر نہ ہو سکی اور یہ اُصول ابتداء ہی سے انسانی معاشرت میں فطرتاً جاری ہو چکا تھا اور خدا سے بہتر ایک انسان کی فطرت کون جان سکتا ہے کہ وہی تو خالقِ حقیقی ہے۔ ارشاد

ہو تا ہے کہ یہ مال جو تم ایسے حال میں کماتے ہو کہ نہ دھوپ دیکھتے ہو اور نہ سردی، نہ بیماری دیکھتے ہو نہ باد و باراں، بس کماتے ہی جاتے ہو کہ کسی طرح سے مال ہاتھ لگتا جائے۔ صرف مال نہیں بلکہ خدا سے دن رات یہی دعا کرتے رہتے ہو کہ اے خدا ہمیں اولاد نرینہ عطاء فرما اور پھر خدا تمہیں پانچ پانچ چھ چھ بیٹے بھی دے دیتا ہے اور خوب مال و دولت بھی۔

تب تم سمجھتے ہو کہ بس اب ہمیں کسی چیز کی حاجت نہیں اور اب تو بس ہم آرام سے بیٹھ کر بچوں سے خدمت کروائیں گے اور خوب مال اُڑائیں گے لیکن دریں اثناء بُڑھاپا تمہاری دہلیز پر آ دھمکتا ہے اور تم کسی نہ کسی مستقل بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہو اور یوں چارپائی کے ساتھ لگ کر سوچتے رہتے ہو کہ بس سارا مال ترکہ خرچ کر لوں لیکن کسی طریقے سے صحت حاصل کر لوں یا پھر خدا سے کچھ اور وقت مانگ لوں کہ ابھی تو آسائش کے دن ہیں۔ لیکن تمہیں مہلت نہیں ملتی اور ایک دن تم خون پسینے کی کمائی اور اپنے جوان بیٹے چھوڑ کر تنِ تنہاء سفر برزخ کے عازم ہو جاتے ہو۔

پس یہی وہ دن ہے کہ جب تمہاری کُل کمائی تمہارے کام نہ آ سکی، تمہاری جوان اولاد تمہارے کام نہ آ سکی اور تم یہ ارمان لئے چل بسے۔

خدا جانے سچ ہے یا صرف ایک غلط انتساب لیکن بالی وڈ کے انتہائی کامیاب اور معروف ترین اداکار صاحبزادے عرفان خان مرحوم کا ایک قول سوشل میڈیا پر نقل کیا جاتا رہا ہے کہ "جب ہم جیسوں کے دن آتے ہیں تو موت بیچ میں ٹپک پڑتی ہے"۔ بالفرض یہ سچ نہ بھی ہو تو بھی کم از کم یہ ایک معروضی حقیقت تو ہے کہ انسان جب معاشی، علمی یا فنی کمال پر پہنچتا ہے تو اُسے موت گھیر لیتی ہے اور پھر سارا کچھ دھرے کا دھرا چھوڑ کر انسان برزخ منتقل ہو جاتا ہے۔ خدا نے کوئی ایسی انوکھی بات کی خبر نہیں دی کہ جس کا انسان مشاہدہ و تجربہ ہی نہ کر سکے بلکہ یہ تو وہ ناقابلِ تردید حقائق ہیں کہ انسان دن رات اِن کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔

خدا نے کہا کہ دیکھو تمہاری دو انتہائی بنیادی کمائیاں یعنی ایک مال اور دوسرا بیٹے تمہاری اصل کمائیاں ہیں ہی نہیں۔ اولادِ نرینہ تو مال کمانے سے بھی زیادہ مشقّت طلب ذمہ داری ہے، آخر ایک فٹ کے نحیف اور ناتواں بچے کو چھ فٹ کا تنومند اور کامیاب انسان بنانا مذاق نہیں ہے جبکہ خدا نے صرف بنون کہا ساتھ بنات نہیں کیونکہ انسان کی نفسیات ہی ایسی ہے کہ وہ عموماً بیٹوں کو ہی اپنی سماجی طاقت اور اصل کمائی سمجھتا ہے اور بیٹیوں کا تو حال یہ ہوتا ہے کہ جتنی بھی طاقتور کیوں نہ بنا دی جائیں بالآخر کسی اور مرد کے سپرد

ہی کر دی جاتی ہیں۔ پس اب بتایئے کیا خدا نے بالکل صحیح چوٹ نہیں لگائی کہ یہی جوان بیٹے جنہیں کامیاب بنانے کیلئے تم نے ہر طرح کی مشقّت برداشت کی اب چھوڑ کر جا رہے ہو اور تمہاری یہ کمائی تمہارے کسی کام نہیں آ رہی۔

مال اور جوان بیٹے تم چھوڑ کر جا رہے ہو اور یہ تمہارے کام نہیں آنے والے تو اب وہ کیا چیز ہے جو یہاں سے کار آمد ہونے لگتی ہے تو ارشاد ہوتا ہے " اِلَّا مَنۡ اَتَی اللّٰہَ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ ؕ" مگر وہ جو قلبِ سلیم (ایمان یافتہ دل) لیکر آیا۔ اندازہ کریں کہ خدا کے نزدیک انسان کی سب سے قیمتی متاع کیا ہے، صرف قلبِ سلیم (Faithful Heart)۔ یہ قلبِ سلیم کیا ہے؟۔ قلبِ سلیم ایسا بابرکت دل ہے جس نے دماغ کی شہادت پر لبیک کہا اور اِس کائنات کے قادرِ مطلق خدا کو تسلیم کرکے اُس آگے سر بسجود ہو گیا۔ دماغ کی شہادت سے مراد یہ ہے کہ ایمان کی بنیاد مشاہدہ و تجربہ ہے نہ کہ اندھا یقین۔

کچھ قدیم علماء کی یہ رائے رہی ہے کہ ایمان کا تعلق محض اندھے یقین سے ہے یعنی بس مان لینا لیکن قرآن ایسے کسی واہمہ یا مفروضہ کو ایمان نہیں کہتا بلکہ بار بار عقل و فکر اور کائنات پر غور و فکر کی دعوت دیتا نظر آتا ہے چنانچہ صرف ایک اصطلاح عقل یعنی ع ق ل کا مادہ (Root Word) قرآن میں میں 49 بار آیا ہے۔ اِسی طرح شعور یعنی ش ع ر کا مادہ قرآن میں کُل 32 بار

آیا ہے اور 27 بار انسانی شعور کو جھنجھوڑنے کیلئے وارد ہوا ہے۔ علاوہ ازیں قرآن انسان کی ذہنی قوت یعنی تفکّر کو اُجاگر کرنے کیلئے 18 بار فکر کی دعوت دیتا نظر آتا ہے۔ عربی زبان میں تجزیاتی قوت کو تدبّر کہا جاتا ہے۔ قرآن میں تدبّر کا مادہ یعنی د ب ر 26 مرتبہ آیا ہے اور 16 مقامات پر یہ مادہ صرف تجزیاتی قوت کیلئے استعمال ہوا ہے۔ اِس کے علاوہ عام سمجھ بُوجھ کیلئے قرآن فقہ کی اصطلاح استعمال کرتا ہے اور اِس اصطلاح کا مادہ یعنی ف ق ہ قرآن میں 19 بار آیا ہے اور ہر بار انسانی سمجھ بُوجھ کیلئے استعمال ہوا ہے۔

بتایئے اب دنیا کی کونسی مذہبی کتاب اِس قدر انسانی عقل و فکر پر بھروسہ کرتی ہے جس قدر قرآن کر رہا ہے؟، لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ ہم نے تو بچپن سے ہی علماء سے یہی سنا ہے کہ ایمان تو بس مان لینے کی چیز ہے اور اِس کا عقل و دلیل سے کوئی کام نہیں بلکہ اِن حضرات نے ہمیشہ سوال کرنے کی مخالفت کی ہے کہ سوال کرنا شیطانی کام ہے حالانکہ سوال کرنے سے ہی انسان تفقّہ (Understanding) حاصل کرتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ" یعنی اے ایمان والو! ایمان لے آؤ اللہ پر، اور رسول پر، اور کتاب (قرآن) پر جو اُس نے اپنے رسول پر

نازل کی اور اُن کتب پر جو اِس سے قبل نازل ہو چکی ہیں۔(سورہ النساء۔ آیت 36) آیت پر غور کریں کہ اے ایمان والو، تم ایمان لے آؤ۔ کیا مطلب، جب ایک بار کوئی ایمان لے آئے اور یہ بھی واضح ہو جائے کہ وہ ایمان لے آیا ہے تو اُسے دوبارہ یہ نصیحت کرنا کہ اے ایمان والے تم ایمان لے آؤ، کیا معنیٰ رکھتا ہے؟، علاوہ اِس کے اور کیا معنیٰ رکھ سکتا ہے کہ ایمان لانے والا کا صرف منہ زبانی چند عقائد کا اقرار کرلینا کافی نہیں۔

اصل میں عقیدہ کا مطلب ہی یہی ہے کہ ایسی بات جسے بغیر سوچے سمجھے مان لیا گیا ہو۔ قرآن میں یہ اصطلاح کسی ایک مقام پر بھی اِس معانی میں نہیں آئی کہ خدا رسول کتاب وغیرہ کو بس مان لو۔ قرآن ایسے کسی عقیدے کی نہ تو تائید کرتا ہے اور نہ ہی اِسے کوئی وقعت دیتا ہے۔ بھلے آج ہم مسلمان صرف منہ زبانی مؤمن ہوں لیکن اِس سے قرآن کی اصلی دعوت پر کوئی اعتراض نہیں بنتا بلکہ بد نصیبی تو ہماری اپنی ہے کہ خدا کی کتاب آج بھی ہمارے پاس اپنی اصلی شکل میں موجود ہے لیکن ہم نے اِسے حلوے اور زردے پر دَم کرنے کیلئے سنبھال رکھا ہے۔

قرآن میں ہے "كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ" یعنی یہ کتاب (قرآن) ایک برکت والی کتاب ہے جو ہم نے

تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ لوگ اِس کی آیتوں میں غور و فکر کریں اور عقلمند اِس سے نصیحت حاصل کریں۔(سورہ ص۔ آیت 29)

پس کوئی بھی مسلمان اگر آج قرآن پر گہرا غور و فکر کرکے قلبِ سلیم نہیں حاصل کرلیتا تو وہ مؤمن نہیں ہو سکتا، البتہ اقرار باللّسان سے وہ مسلمان ہو جائے گا۔ قرآن میں ہے"قَالَتِ الۡاَعۡرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا وَ لٰکِنۡ قُوۡلُوۡۤا اَسۡلَمۡنَا وَ لَمَّا یَدۡخُلِ الۡاِیۡمَانُ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ ؕ"یعنی بدو بولے ہم ایمان لے آئے، آپ کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے، ہاں یوں کہو کہ ہم مسلم ہو گئے اور ابھی ایمان تمہارے دلّوں میں کہاں داخل ہوا۔ (سورہ الحجرات۔ آیت 14) چنانچہ ایمان جب دلّوں میں ہی داخل ہوتا ہے تو ایک انسان قلبِ سلیم کا حامل مؤمن بن جاتا ہے ورنہ پوری زندگی ایک انسان مسلمان تو رہتا ہے لیکن اُسے قلبِ سلیم نصیب نہیں ہوتا۔

ایمان ہی وہ نادر کیمیاء ہے جو ہر انسانی عمل کو قدر(Value)عطاء کرتی ہے ورنہ کوئی بھی عمل بغیر ایمان کے سرے سے کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتا۔ خیر خدا سے جدا نہیں ہو سکتی اِس لئے پہلے خدا پر ایمان لانا ضروری ہے ورنہ خیر کی کوئی بنیاد ہی نہیں بچتی اور تب انسان صرف اپنی خواہش کا بندہ بن کر رہ جاتا ہے۔ پس تفکّر کے بغیر خدا پر ایمان ممکن نہیں اِسی لئے تفکّر کے بغیر کوئی

ایمان نہیں بلکہ وہ ایک منہ زبانی اقرار ہے جس سے انسان زیادہ سے زیادہ ایک مذہبی شناخت حاصل کر لیتا ہے اور اُس کی پہچان بدل جاتی ہے۔ علاوہ ازیں خدا کے ہاں بلکہ خود انسان کے ہاں بھی وقعت صرف وہی ایمان رکھتا ہے جس کی بنیاد تفکّر و تدبّر پر قائم ہو اور پھر اِسی تفکّر و تدبّر سے انسان قلبِ سلیم کی دولت حاصل کر لیتا ہے۔

☆☆☆☆☆

سید المجاذیب خواجہ نعمان نیئرؔ کلاچوی صوبہ خیبر پختونخواہ کی ایک دور اُفتادہ تحصیل کلاچی کے باسی ہیں۔ آپ ایک جامع العلوم شخصیت ہیں ۔ آپ بیک وقت مذاہبِ عالم، علم الکلام و فلسفہ، شعر و اَدب، صحافت و بلاغت، معاشرت و سیاست، نفسیات و روحانیات اور رقص و موسیقی پر گہری گرفت رکھتے ہیں۔ آپ ایک طویل عرصے سے مسلسل گوشہ نشینی اختیار کئے ہوئے ہیں اور دریں اثناء علمی و تحقیقی کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ ماڈرن فلاسفی اور علمِ نفسیات پر آپ کا علمی کام اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں انٹرنیٹ پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ آپ چھ کتابوں "عشق کی سائنس"، "تصوف کی ڈکشنری"، "صراطِ دانش"، "سوزِ نہاں"، "قبیلہ نور احمد خیل" اور " Trek to Intellect " کے مصنف ہیں۔ علاوہ ازیں دیگر کئی مقالات و علمی شذرات کے بھی مؤلف و مصنف ہیں۔ زیرِ نظر مقالہ بھی آپ ہی کی علمی و تحقیقی جہد کا ماحصل ہے۔